علومِ حدیث میں مہارت...ایک بڑی علمی ضرورت!

عبدالسلام
متخصص فی الحدیث، جامعہ فاروقیہ، کراچی

رب کائنات کی ایک عجیب حکیمانہ کارکردگی ہے، کہ اپنے ''نبی اُمّی'' کو ایک ایسی امت مرحمت فرمائی جس نے علم کی خدمت واشاعت، علوم کی تحقیق وتدقیق کے ساتھ ساتھ متعلقاتِ علوم کی وضع وتدوین کا ایسا کارنامہ سرانجام دیا جس کی مثال تاریخ کے اوراق میں نہیں ملتی۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں گذشتہ اقوام سے بازی لے گئی اور اتنا بڑا علمی ذخیرہ اور اتنا وسیع وعریض کتب خانہ اس کی محنتوں سے وجود میں آیا جس کا سرسری جائزہ لینا بھی ممکن نہیں۔ جس ہستی کو رب ذوالجلال نے اُمّی کا لقب عطا فرمایا، اور ان کو مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا :

﴿ وماكنت تدري من قبله من كتاب ولا تخطّه بيمينك إذا لارتاب المبطلون ﴾ (۱)

''اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔ ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے''۔

اس کو ایسی امت کا عطا ہونا جو اپنے علمی شوق وشغف، اپنی بلند ہمتی اور قوتِ ارادی میں بے مثال ہو، خدمتِ علم میں جان کھپا دینے والی ہو۔ صرف اتفاقی امر نہیں بلکہ قدرتِ الٰہی کی کرشمہ سازی، مادیت پرست وظاہر بین انسانوں کے لئے ''لمحہ فکریہ'' اور تاریخ کے اوراق پر ایک حیران کن ''اشاریہ سوال'' ہے کہ ایسا کیوں! اور کس طرح ہوا؟!

نبی کریم ﷺ کو نبوت ملی ہی تھی کہ تمام ادیانِ سابقہ کی چھٹی ہوگئی، اور ﴿ وَمَنْ يَبْتَغِ غير الاسلام دينا فلن يُقْبَلَ منه ﴾ (۲) کا اعلان کر کے اسلام کو سرچشمۂ ہدایت ومشعلِ راہ قرار دیا گیا، اور صاف بتایا گیا کہ ہر کامیابی کا راز اس میں مضمر ہے، اس سارے ماجرا کی تصویر کشی کرتے ہوئے عارف باللہ شیخ سعدی شیرازیؒ نے کیا خوب کہا :

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست   کتب خانہ ' چند ملت بشست

قرآن وحدیث سے جو ''نظامِ حیات'' وجود میں آیا اس کو ابدی دین قرار دیا گیا اور تا آمدنِ قیامت جاری وساری رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی :

﴿إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون﴾ (۳)

اور یوں ہی آپ ﷺ کے ذریعے آسمانی کتابوں کا امتِ مرحومہ کو بہترین نعم البدل عطا کیا گیا اور مسجد نبوی کے احاطے میں اس ''دار العلوم'' اور پاکیزہ درس گاہ کا افتتاح ہوا جس کے معلم (۴) اور متعلمین (۵) دونوں کو قرآن کریم نے اُمّی

ہونے کا لقب دیا، یہی وہ درس گاہ ہے جس سے تمام مدارس و مکاتب حق کی شاخیں ملتی ہیں اور یہ وہ منبعِ علم وعرفاں ہے جس سے ان گنت پیاسے سیراب ہوئے۔

تعلیمِ نبوی اور صحابہ کرامؓ!

یہ بات ملحوظ خاطر رہے! کہ قرآن کریم محض ایک علمی کتاب نہیں، جس کا مقصود مطالعہ کر کے صرف معلومات حاصل کرنا ہو، بلکہ یہ اقوامِ عالم کا وہ دستور العمل اور ضابطۂ حیات بھی ہے جس کی طرف شعبہ ہائے زندگی کے نت نئے مسائل میں ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی تعلیم عرفِ عام کے خلاف اسوۂ حسنہ اور عملی نقشے کے ساتھ ساتھ جاری رہتی تھی۔

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ محض نظریاتی تعلیم کسی قوم کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہوا کرتی، اصلاح کا فطری طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایک عملی مثال قائم کی جائے جس کی وہ اتباع کرسکیں۔ بہت سارے دنیوی فنون بھی ایسے ہیں جو عملی مشق کے بغیر پہلے تو سمجھ میں نہیں آتے اور اگر آجائیں تو جب تک کسی ماہر کے زیر تربیت ان کو حاصل نہیں کیا جاتا وہ صحیح طور پر انجام نہیں دیئے جاسکتے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی نشست و برخاست، طعام ولباس، رہن وسہن، نقل وادا غرض یہ کہ سفر وحضر کی تمام عبادات وعادات کی جو ہیئت ووضع دیکھ لیتے اس کو اپنا دستورِ حیات بنالیتے ہر قول پر لَبَّیْك کہتے اور ہر فعلِ نبوی کو رضا، قربِ الٰہی کا ذریعہ اور کامیابی کی کلید سمجھتے۔ مختصر یہ کہ آپ ﷺ کے کلماتِ طیبہ سننا اور یاد کرنا ان کا سبق تھا، اور اپنے عمل کو نبی کریم ﷺ کے عمل کے مطابق بنانا یہی ان کا مشغلہ تھا، اسلئے ان کی سادہ فطرت اور سادہ دماغ میں جو پہلا نقش قائم ہوا وہ حق ہی حق اور صواب ہی صواب تھا۔ مزید برآں نبی کریم ﷺ کی صحبت کی تاثیر سے ان علوم نے ان میں ایسا رسوخ اور ایسی نورانیت پیدا کردی تھی جس کی گواہی قرآن نے: ﴿فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا﴾ (٦) اور نبی کریم ﷺ نے: ﴿اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم﴾ (٧) کہہ کردی اور معیارِ حق وباطل قرار دیئے گئے۔ صحابہ کرام کی شان میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے جو تعریفی جملے فرمائے ہیں وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، حضرت حسن بصریؒ صحابہ کرام کے حال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "یہ جماعت پوری امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے اسے پسند کیا تھا، وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی۔ اس کو دھن تھی تو اسی کی، تلاش تھی تو اسی کی! اس کعبہ کے پروردگار کی قسم وہ جماعت صراطِ مستقیم پر گامزن تھی"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی تعبیر اور بھی شاندار اور مکمل ہے فرماتے ہیں:

> مَنْ كان منكم مُتأَسِّياً فَلْيَتَأَسَّ بأصحابِ محمد ﷺ؛ فإنهم كانوا أبَرَّ هٰذه الأمة قلوباً، وأعْمَقَها عِلماً، وأقَلَّها تَكَلُّفا، وأقْوَمَها هَدْياً، وأحْسَنَها حالاً؛ قوماً اختارهم الله لصحبة نبيّه، و إقامةِ دِينه، فاعْرِفوا لهم فَضْلهم، واتَّبِعوهم في آثارِهم! فإنَّهُمْ كانوا علىٰ الهُدىٰ المستقيم". (٨)

''تم میں جس کو اقتداء کرنی ہو وہ محمد ﷺ کے اصحاب کی اقتداء کرے کیونکہ وہ نیک دلی میں سب سے زیادہ، علم میں سب سے گہرے، نہایت بے تکلف، مضبوط کردار اور بہت اچھے حال کے لوگ تھے۔ مولائے کریم نے اس جماعت کو اپنے پیارے رسول کی صحبت اور دین کی حفاظت کیلئے منتخب کیا تھا، اس لئے تم بھی ان کا مقام پہچانو، اور ان کے نقش قدم پر چلو کیونکہ وہ سیدھے اور صاف راستے پر چلنے والے تھے''۔

عہد صحابہ میں حدیث کی حیثیت واہمیت!!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں حدیث کی تشریعی حیثیت کا ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ ہمارے علم میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ان کے نزدیک حدیث کی حیثیت تاریخی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلا اختلاف آپ کے دفن کے متعلق ہوا لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ اختلاف اس حدیث کے سوا جو اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے پڑھ کر سنائی کسی اور دلیل سے رفع کیا گیا تھا؟ (۹) کیا کسی نے اس فیصلے کے خلاف کوئی آواز اٹھائی تھی؟

حضرت فُضالہؓ بن عبید المتوفی ۵۸ھ جو مصر کے گورنر تھے ان کی خدمت میں مدینہ سے ایک صحابی (جن کو ایک حدیث کے متعلق شک ہوا تھا) حاضر ہوئے اور فرمانے لگے کہ: ''میں آپ کی ملاقات کے لئے حاضر نہیں ہوا بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ آپ نے اور میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی، مجھے اس میں کچھ شک واقع ہوا ہے اس لئے آیا ہوں، چنانچہ وہ حدیث انہوں نے بیان کی۔ (۱۰)

لیکن حضرت فُضالہؓ کو پراگندہ بال دیکھ کر سوال کیا کہ آپ حاکم ہو کر اس طرح کیوں نظر آرہے ہیں؟ وہ بولے کہ ''ہمیں نبی کریم ﷺ نے تن آسانی اور پر تعیش زندگی گذارنے سے منع فرمایا ہے''۔

انہوں نے سوال کیا کہ آپ برہنہ پا کیوں ہیں؟ حضرت فضالہؓ نے فرمایا کہ: ''جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کبھی کبھار ننگے پاؤں چلا کریں! ''(تاکہ دوسرے کی غربت کا احساس ہو)۔

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور اونٹنی کو دروازے کے پاس باندھ دیا) آپ ﷺ ابتداءِ خلق کا ذکر فرما رہے تھے دریں اثناء ایک شخص نے آواز دی کہ اے ابن حصین! تیری اونٹنی بھاگ گئی، چنانچہ میں اس کی تلاش میں نکل پڑا، آخر میں فرماتے ہیں کہ کاش! اونٹنی چھوڑ کر ضائع ہو جاتی لیکن نبی کریم ﷺ کا کلام مبارک سننے سے محروم نہ رہتا۔ (۱۱)

''صحیح بخاری شریف'' میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت منقول ہے، انہوں نے فرمایا:

''میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی جس کا نام عتبان بن مالک بن عمرو بن العجلان الخزرجی تھا (مدینہ طیبہ سے تقریبا پانچ یا چھ کلو میٹر دور) عوالی مدینہ کے محلّہ (بنی امیّہ) میں رہتے تھے، ہم دونوں نے یہ طے کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باری باری حاضر ہوا کریں گے، چنانچہ ایک روز وہ پہنچتا تھا اور ایک روز میں۔ جس روز میں حاضر خدمت ہوتا تو جو قرآن اترتا، یا کوئی دوسری بات آپ کی مجلس میں پیش آتی، اس کی تفصیل اپنے پڑوسی کو سناتا۔ اور جب وہ حاضر ہوتے تو بھی اسی طرح کرتے''۔ (۱۲)

کیا یہ اہتمام ایک معمولی تاریخ کی حفاظت کے لئے ہی کیا گیا تھا؟

اس کے علاوہ خلیفہ اول سے لیکر خلفاء کے آخری دور تک جب کبھی مذہبی اور سیاسی نزاع پیش آئے تو ہمیشہ ن سے قرآن وحدیث ہی پیش کی گئی ہیں حتیٰ کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ میں بھی ں طرف سے اپنے حق میں حدیثیں ہی پڑھی گئیں۔

حیاتِ نبوی کی حفاظت!

پوری علمی دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ امت مسلمہ نے اپنے آقا محمد ﷺ کی حیات طیبہ، قول وفعل اور حرکت وادا حتیٰ کہ ہر اس چیز اور ہر اس شخص کے حالات کی، جس کا ادنی سا تعلق بھی آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے تھا، جس حیران کن طریقے سے حفاظت کی وہ انسانی تاریخ کا ایک عجوبہ ہے۔ مادی اسباب وآلات کا نام تک نہیں تھا لیکن اللہ ﷻ نے قوت حفظ کے ساتھ ایسا علمی ذوق وشوق عطا فرمایا تھا جس کی مثال کسی اور قوم میں تلاش کرنا جہد بے ثمر ہے۔

اس وقت ضبط ونقل کا ذریعہ جو بھی تھا وہ لوگوں کا خداداد حافظہ اور زبانیں تھیں۔ قدیم زمانہ میں واقعات محفوظ رکھنے اور بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا یہی واحد ذریعہ تھا، مگر عرب خصوصیت کے ساتھ قوتِ حفظ میں ممتاز تھے۔ ان کو اپنے اشعار سینکڑوں کی تعداد میں یاد ہوتے تھے ان میں ہر ایک کو شجرۂ نسب بلکہ اونٹوں اور گھوڑوں کے شجرہائے نسب بھی ازبر ہوا کرتے تھے۔

معروف تاریخ نگار خیر الدین الزرکلی اپنی کتاب ''الأعلام'' میں عرب دنیا کے مشہور و مایہ ناز شاعر حماد بن سابور بن المبارک ابوالقاسم الراویہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ولید بن یزید الأموی نے ان سے پوچھا ارے میاں! الرّاویۃ کا لقب کیسے ملا؟ کہنے لگے:

''بادشاہ سلامت! ہر نئے و پرانے شعر کے درمیان فرق کرسکتا ہوں اور جس شاعر کا بھی نام لوگے اس کے اشعار سناؤں گا''۔

ولید بولے کتنے اشعار یاد ہیں؟ جواب دیا:

''کہ حروفِ تہجّی کے ہر حرف کے تحت (اسلامی اشعار اور مقطعات کے علاوہ) ایک سو طویل قصائد ابھی سنا سکتا ہوں''۔

یہ صرف دعویٰ نہیں تھا بلکہ دو ہزار نو سو قصائد سنا ڈالے، جس پر ولید بن یزید نے ایک لاکھ درہم کا کا انعام دیا۔ (۱۳) بقول علامہ حالی ؎

لئے علم و فن ان سے نصرانیوں نے | کیا کسبِ اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفا ہانیوں نے | کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا | کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

عرب اپنی قوت حفظ پر اس قدر نازاں اور پر اعتماد تھے کہ وہ تحریر سے زیادہ یادداشت پر بھروسہ کرتے تھے۔ دوسری طرف نبی کریم ﷺ کی مبارک دعا کی برکات تھیں جس کی وجہ سے ان کے دماغ میں نشاط و تازگی رہتی تھی۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے :

"نضرّ الله عبداً سمع مقالتي فوعاها ثم أدّاها كما سمع ". (١٤)

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو میرا کہا ہوا سن کر زبانی یاد کرے پھر دوسرں تک بالکل اسی طرح پہنچادے جس طرح اس نے سنا تھا''۔

ساتھ ہی مزید اہتمام اور بیدار مغزی کا مظاہرہ کرنے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے لئے یہ ارشاد بھی فرمایا تھا :

"من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار". (۱۵)

''جو شخص جانتے ہوئے قصداً کوئی جھوٹ میری طرف منسوب کرے اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے''۔

اس حدیث مبارکہ نے راویانِ حدیث میں ایسا احساس ذمہ داری پیدا کردیا تھا کہ بیان کرتے وقت ان کے چہرے خوف سے زرد پڑ جاتے، یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کے باعث راویانِ حدیث حفظ و روایت میں ہر ممکن احتیاط بروئے کار لائے۔ چنانچہ حدیث کے سب سے مشہور راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"جَزَّأْت الليل ثلثة أجزاء : ثلثاً أصلي، و ثلثاً أنام، وثلثاً أذكر فيه حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم .(١٦)

''میں نے رات تین حصوں میں تقسیم کررکھی ہے: ایک تہائی رات میں نماز پڑھتا ہوں، ایک تہائی میں سوتا ہوں، اور باقی ایک تہائی رات میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث یاد کرتا ہوں''۔

علم حدیث کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو واضح طور پر یہ بتلاتی ہیں کہ احادیث روایت کرنے والوں نے حفظِ حدیث میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اپنے اس بے مثال حافظے کا استعمال کیا ہے جو فضلِ خداوندی کا کرشمہ تھا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قوتِ حافظہ علمِ حدیث میں عمومی مفہوم کی کوئی مبہم اصطلاح نہیں! بلکہ مخصوص شرائط پر مبنی ایک خالص فنی حیثیت رکھتا ہے، جس کے ذریعہ راویانِ حدیث کا قابلِ اعتماد ہونا پرکھا جاتا ہے، اور ان کے مسترد یا قبول کیے جانے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

فنِ اسماء الرجال راویانِ حدیث کا کھلا ریکارڈ

جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور احوال کو نقل کیا انہیں ''رواۃ ورجالِ حدیث'' کہا جاتا ہے، جن میں صحابہ کرام سے لیکر چوتھی صدی ہجری تک کے روایانِ حدیث وآثار داخل ہیں۔ان کے مجموعہ احوال کا نام" فنِ اسماء الرجال " ہے۔ جب حدیث کی تدوین ہو رہی تھی تو اسی کے ساتھ محدثین اعتماد کو باقی رکھنے والا ایک منظم فن بھی مدوّن کرتے جا رہے تھے، جسمیں کسی روایت کی جانچ پڑتال، چھان پھٹک اور صحیح وغلط کی تصدیق کیلئے بے شمار مراحل تشکیل دیئے گئے، ہر راوی کا نام، اس کی کنیت، لقب، کہاں کے رہائشی تھے؟ آباء واجداد کون تھے؟ کس مزاج وطبیعت کے تھے؟ حافظہ کیسا تھا؟ تقویٰ اور دینداری کے لحاظ سے کیا درجہ تھا؟ کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا تھا؟ طلبِ علم کے سلسلے میں کہاں کہاں کی خاک چھانی؟ تلامذہ کون تھے؟ غرض ان ہزار ہا احادیث کے ساتھ ان کے راویان کے بارے میں بھی تحقیق وتفتیش کا اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔

یہود ونصاریٰ، ہنود اور دیگر اقوام کے پاس بھی انکی مذہبی کتابیں تھیں، لیکن ان کے گردان کے مذہبی پیشواؤں کا پہرہ نہ تھا، نفس کے پجاریوں نے ان میں دخل اندازی کی، نہ ان کتابوں کے الفاظ محفوظ رہے نہ معنیٰ، ان کے ایڈیشن ہر موڑ پر بدلتے گئے اور صرف ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گئیں۔ لیکن بلا خوف وخطر کہا جاسکتا ہے کہ امتِ مسلمہ کے پاس نہ صرف قرآن مجید محفوظ شکل میں موجود ہے بلکہ احادیث نبویہ بھی محفوظ ہیں اور کھرے کھوٹے کا واضح امتیاز کیا گیا ہے اور یہ اسی فن کی بدولت ممکن ہوا ہے جس میں امتِ مسلمہ کی چنیدہ شخصیات نے اپنی پوری ذہانت ومحنت صرف کی اور ذہنی کاوش وعلمی موشگافیوں کا بہترین ثبوت دیا۔

عالم اسلام کے مشہور حنفی محقق، عظیم محدث، نابغہ روزگار شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اپنی مایہ ناز کتاب ''لمحات من تاریخ السنة و علوم الحدیث'' میں لکھتے ہیں :

> ''ہمارے اسلاف نے سنتِ مطہرہ کی جتنی خدمت کی ہے شاید ہی کسی علم کی اتنی خدمت کی گئی ہو، کسی نے کہا ہے کہ علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم جو نیم پختہ رہی، دوسری قسم جو پختگی میں کمال کو پہنچی، تیسری قسم جو اس سے بھی آگے بڑھ گئی اور پختہ ہو کر بالکل کھری ہوگئی وہ علمِ حدیث ہے۔ '' (۱۷)

حافظ ابن الصلاح نے اپنی معروف کتاب ''معرفة انواع علم الحدیث'' (۱۸) میں ان پینسٹھ علوم کے نام ذکر کیئے ہیں جن کی وضع وتدوین کا ''سہرا'' امتِ محمدیہ کے بالغ نظر اہلِ علم کے سر ہے اور جن کے منصۂ شہود پر آنے کا سبب و داعی قرآنِ کریم کا فہم وادراک اور سنتِ مطہرہ (علی صاحبها الصلاة و السلام) کی نگرانی اور حفاظت تھا۔

فنِ اسماء الرجال، فنِ جرح وتعدیل، اصولِ حدیث اور عللِ حدیث میں محدثین اور ناقدین نے جن موشگافیوں سے کام لیا ہے، جس ذہانت، نکتہ بینی، دیدہ ریزی اور جان فشانی کا ثبوت دیا ہے اس کا اندازہ ان فنون کے محققین کی ضخیم تصنیفات اور دقیق وغامض بحثوں پر نظر ڈالنے سے ہی ہوسکتا ہے۔ فنِ اسماء الرجال کا تو غیروں نے بھی اعتراف کرلیا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہ گذری ہے اور نہ ہی آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

حدیث اور علومِ حدیث کی اہمیت اور دائرۂ کار

علم قرآن اگر اسلامی علوم میں 'دل' کی حیثیت رکھتا ہے تو ''علمِ حدیث'' شہہ رگ کی۔ یہ شہہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک صاف خون پہنچا کر ہر آن ان کیلئے ''حیاتِ نو'' کا سامان مہیا کرتی ہے۔ آیات کا شانِ نزول، ان کی تفسیر، اُحکامِ قرآن کی تشریح و توضیح، اِجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص اور مبہم کی تعین سب ''علمِ حدیث'' کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی سیرت، اخلاق و عاداتِ مبارکہ، اسوۂ حسنہ و حیات طیبہ، آپ کے سنن و مستحبات، احکام و ارشادات، اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام کی مبارک زندگی اور اجتہاد و استنباط کا سرمایہ اسی علمِ حدیث کے راستے نقلاً بعد نقل ہم تک پہنچا ہے۔ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں قائم و دائم ہے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک رہے گا۔

ہمارے اسلاف نے آغازِ اسلام سے قرآن کریم کے بعد علومِ حدیث کو اپنے سینوں سے لگایا، ہر ہر پہلو پر نظر رکھی، گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے ایسی مضبوط چار دیواری اور سرحدیں قائم کردیں جن میں نہ تو دشمن کے جھوٹ وفریب کا تیر داخل ہوسکا اور نہ کوئی ڈاکو و رہزن نقب زنی کرسکا۔ مولائے کریم نے ان کو ایسے حافظوں اور ذہنوں سے نوازا تھا جن کے ذریعے وہ حرفِ حدیث و حرفِ غیر میں ایسا فرق کرتے تھے جس طرح ماں اپنے بچوں کو غیروں سے ممتاز کردیتی ہے۔

وہ علومِ حدیث کو اپنا سرمایہ اور تمغہ امتیاز سمجھتے تھے، ہر گوشے گوشے سے واقف تھے، بلکہ لاکھوں روایان کی بھی خبر رکھتے تھے، پیدائش سے لیکر موت تک، پوتوں سے لیکر پردادوں تک اور استادوں سے لیکر شاگردوں تک کا سارا ریکارڈ ان کے خداداد ذہنوں میں محفوظ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امتِ مسلمہ نے اپنے پیارے آقا محمد مصطفی ﷺ کے فرامین کی جتنی جاں فشانی و جان کاہی سے حفاظت کی چار دانگ عالم میں اسکا تصور بھی ممکن نہیں۔ حدیث کے پیش نظر امانت و دیانت کے ایسے باب رقم کیے، جن میں باپ، بیٹے اور بھائی کا خیال رکھا گیا نہ ہی کسی اور رشتے دار کا۔

امام بخاری کے استاد اور جرح و تعدیل کے امام علی بن المدینیؒ سے جب ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو فرماتے :

> ''ان کے بارے میں میرے علاوہ کسی اور سے معلوم کرو۔ جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمانے لگے: ''یہ دین (کا مسئلہ) ہے'' (اور دین کے بارے میں کسی کا لحاظ نہیں رکھا جاسکتا) لہٰذا میرے والد اس معاملے میں کمزور ہیں'' (۱۹)

صاحب سنن امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے صاف فرمایا: ''میرا فرزند عبداللہ کذّاب ہے''۔ (۲۰)

بہر کیف علومِ حدیث پر ان کو ایسا عبور حاصل تھا کہ حدیث سنتے ہی ان کو استحضار ہوتا کہ یہ فلاں فلاں کتاب میں فلاں فلاں جگہ مذکور ہے۔ مصنفین کے مزاج، اسلوب و انداز، تصانیف کی ترتیب اور نشیب و فراز سے ایسے واقف تھے جس طرح ایک دکاندار جانتا ہے کہ میری دکان میں فلاں چیز کہاں رکھی ہوئی ہے۔ حالی نے کیا خوب کہا ہے ؎

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا | لگا یا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا | کیا قافیہ تنگ ہر مفتری کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون | نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا | مناقب چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا | ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
(۲۱)

طلبہ حدیث کا افسوسناک رویہ

آج حدیث کی درسگاہوں میں بیسیوں ایسے طلبہ ملیں گے جنہوں نے آٹھ دس سال رگڑے کھائے، مشقت برداشت کی تاکہ علوم عالیہ کو سمجھیں، مگر جب ان تک رسائی ہوئی تو ایسی بے پرواہی سے گذرے کہ کتب ستہ کے طریقہ تالیف و ترتیب اور مصنف کے اسلوب و انداز تو درکنار! بعض تو مؤلفین کے نام تک نہیں جانتے، رواۃ کے نام اور متونِ حدیث کو در کھنا بے کار گردانتے ہیں، اپنی کوتاہی اور سستی کو ایک دوسرا عنوان دیکر یوں گویا ہوتے ہیں: کہ ''اصل تو حدیث کا معنیٰ سمجھنا ہے'' سند پڑھتے وقت تحقیق کیے بغیر جو زبان پر آتا ہے بول دیتے ہیں، نہ عَمر و اور عُمر میں فرق، نہ مَعیَن و مُعین میں امتیاز اور نہ زَبیر و زُبَیر میں تمیز، لحن و تصحیف کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بڑھ کر عبارت پڑھنے میں اتنی تیزی دکھاتے ہیں کہ بسا اوقات، حروف، بلکہ الفاظ و کلمات تک سمجھ نہیں آرہے ہوتے۔ جس طرح آج کل کے حفاظِ کرام رمضان شریف میں قرآن پڑھتے ہیں۔

حدیث شریف بیان کرتے وقت صحابہ کرام کے جسموں پر لرزہ طاری ہوجاتا، رنگ زرد اور چہرے پیلے پڑ جاتے۔ کیا تلفظ و صحتِ اداء اور لہجہ کی پابندی ضروری نہیں؟ عربی زبان میں تو اسکی شدید ضرورت ہے کہ صحتِ تلفظ کی پابندی و رعایت کی جائے، یہ تو اس زبان کی خصوصیت ہے کہ اس کے بولنے والے صحتِ تلفظ کے عادی ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم کو صحتِ اداء کیساتھ پڑھنے کیلئے تو علماء نے اتنی ساری کتابیں لکھی ہیں کہ ان سے قدیم زمانہ ہی میں ایک زبردست کتب خانہ تیار ہوچکا ہے، علمِ تجوید و قرأت میں قرآن پاک کے ایک ایک لفظ اور حرف کو اداء کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دنیا کی کسی زبان کو یہ اعزاز حاصل نہیں کہ اس کے الفاظ و حروف کی ادائیگی کی حد بندی کی گئی ہو۔ اس کے صوتی آہنگ اور مخارجِ حروف کے سلسلے میں اس درجہ دِقّتِ نظر سے کام لیا گیا ہو، ادائیگی کی مدت اور مقدار و معیار کا تعیُّن کیا گیا ہو۔

اگر ہم ض، ذ، ز، ظ کے درمیان فرق کو ملحوظ نہ رکھیں۔ ھ، ح کا امتیاز ختم کریں۔ ق، ک کے حدِ فاصل سے بے زار ہوں۔ س اور ش کے درمیان حدوں کو پھلانگ جائیں۔ س، ص، ث۔ ت، ط اور ع، اُ کی مختلف شکلوں کو بلا ضرورت بات سمجھ کر متحد المخارج کر دیں، اور سرکاری اسکولوں کے ماسٹروں کی طرح ایک لفظ کو دوسرے کے مخرج سے اداء کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کریں، بلکہ عربی کو اردو میں پڑھیں تو یہ بڑے ظلم کی بات ہوگی، اور ہمارا رویہ نہایت غیر ذمہ دارانہ سمجھا جائے گا۔

آواز کے نشیب وفراز، اتار چڑھاؤ میں اسی طرز کو اپنایا جائے جو اہلِ زبان کے نزدیک معمول بہ ہو۔ آواز کو ان معانی کے مطابق بنانا چاہیئے جن کو الفاظ کا لباس پہنا کر پیش کیا جارہا ہو۔ استفہام وتعجب، زجرو توبیخ، لَوم وتقریع، تفخیم وتھویل، ندم وتحزین اور وعد ووعید، ان سب چیزوں کا خیال رکھ کر عبارت خوانی کرنی چاہیئے، یہ نہ ہو کہ سند ومتن کو ایک ہی سانس میں پڑھیں۔ جب ہم اپنی زبان میں بول رہے ہوتے ہیں تو مخاطب کے دو تین الفاظ سنتے ہی معلوم کر لیتے ہیں کہ وہ فرحت وسرور کی کیفیت میں ہے یا غم وغصہ اور غیظ وغضب کی کالی گھٹائیں اس کے دل پر چھا گئیں ہیں، پھر کیا جواز ہے کہ عربی زبان بلکہ احادیثِ رسول ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ روا رکھا جائے؟

بہت کم کوئی ایسا صاحبِ حدیث ہوگا جو اختلافی مسائل سے ورے اس بات کا بھی اہتمام کرتا ہو کہ حدیث کو اصول حدیث ہی کے نقطہ نظر سے پڑھا اور سمجھا جائے اور معلوم کرے کہ راوی کون ہے؟ لقب وکنیت کیا ہے؟ کس مزاج وطبیعت کے مالک تھے؟ حافظے کا معیار کیا تھا؟ تقویٰ وتدیّن میں کس درجے پر فائز تھے؟ ملازمتِ شیخ حاصل ہے یا چلتے چلتے روایت لی؟ متساہل، متشدد اور متعصب ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ یہ تو شعبہ عبدالرحمٰن بن مہدی، یحیٰ بن سعید القطان اور ابن مدینی کا کام تھا، میرا مقصد یہ نہیں کہ ہم میں سے بھی کوئی شعبہ بنے تو کوئی ابن مہدی کی مثل ہو، کوئی ابن حجر کا ہم پلہ بنے تو کوئی انور شاہ کی نظیر ہو۔ رحمهم الله ۔

اس کا تصور بھی شاید نہ کیا جاسکے جب ہماری یہ حالتِ زار ہو! لیکن ذرا غور کر کے سوچنا چاہیئے کہ یہ جملہ ہماری زبان پر کیوں آتا ہے؟ کہ یہ تو ان لوگوں کا کام تھا، دنیوی امور میں تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں جان لیوا اور سر توڑ کوششیں کرتے ہیں، کسی نے یہ نہیں کہا کہ قومِ عاد وثمود کو تو اللہ نے لمبی چوڑی اور مضبوط جسامت دی تھی، بے مثال قوت عطاء فرمائی تھی، ہم تو کمزور وناتواں ہیں نہیں! نہیں!

وہ اگر پہاڑ تراش کر گھر بنا سکتے تھے تو ہم بھی سنگلاخ پہاڑوں کی زنجیر توڑ کر نہریں کھود سکتے ہیں، سڑکیں بنا سکتے ہیں، ان کی مضبوط جڑیں اور بنیادیں کھوکھلی کر کے معدنیات نکالنے میں کسی سے پیچھے نہیں، پھر کیوں اسلاف کے آباد کیے ہوئے سرسبز وشاداب دبستانوں میں داخل ہونے سے گھبراتے ہیں؟

لمحہ فکریہ!!

ہم نے اسباب وذرائع کو اصل قرار دیا اور اس غلط فہمی کے شکار ہوئے کہ ہم عالم فاضل بن چکے، حالانکہ صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام اور معانی اس لیے پڑھائے جاتے ہیں کہ زیروزبر صحیح پڑھ سکیں، عربیت کے رموز واشارات سے کچھ واقفیت حاصل ہو جائے، مفہوم عبارت سمجھنے کا شعور پیدا ہو۔ یہ مقاصد اصلیہ نہیں، مقاصدِ اصلیہ تو وہ علوم ہیں جن تک پہنچنے سے ہمارا شوق وولولہ تقریباً ختم ہو چکا ہوتا ہے، دل ودماغ جواب دینے لگتے ہیں، اعضاء وجوارح سستی وکاہلی کا پیرہن اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ سند کے رموز واشارات سے واقف، نہ متن کے اسرار کی خبر۔ کم از کم وہ احادیث تو ازبر ہونی چاہئیں جو صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ، ان کے احکام وفضائل اور اختلافی مسائل سے متعلق ہیں۔ جن کو "ثانیہ" سے پڑھتے آرہے ہیں۔

مدرسہ میں آنے سے پہلے بھی بیشتر کو معلوم تھا کہ ارکانِ دین کیا کیا ہیں؟ اختلافی مسائل اوران کے دلائل اردو شروحات میں موجود ہوتے ہیں اگر کوئی اردودان ان کتابوں کا مطالعہ کرے تو وہ بھی کسی قدر بتانے کی جرأت کرسکتا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے اور دلیل یہ ہے، اردو شروحات کی بھرمار نے تو یہی کمال دکھایا ہے، اگر صرف عبارت پڑھنا اور ترجمہ جاننا ہی علم کہلایا جائے تو پھر سوچنا چاہیئے کہ ہماری آٹھ سالہ محنت کا ثمرہ کیا نکلا؟

حدیث کا مطالبہ

ہر حدیث ہم سے پانچ چیزوں کا مطالبہ کرتی ہے۔ ۱۔ رواۃ کے ناموں کی تصحیح ۲۔ رجالِ سند کے حالات کو تحقیق کر کے معلوم کرنا ۳۔ متن کے الفاظ کی تصحیح ۴۔ صحت وضعف کے اعتبار سے حدیث کا مرتبہ پہچاننا۔ ۵۔ حدیث سے مستنبط مسائل واحکام اور فوائد وآداب کی معرفت۔ (۲۲)

یادرہے !

متن حدیث سے پہلے یہ ناموں کی لڑی، یہ کوئی زنجیر کی کڑی نہیں، یہ نام زینتِ اوراق کیلئے نہیں لکھے جاتے، اسماء الرجال کا فن جس کی دنیا کوئی نظیر پیش نہ کرسکی، آخر اسکا مقصد کیا ہے؟

''صحیح بخاری'' کے ہر صفحہ کے حاشیہ کے آخر میں جو اسماء الرجال کا عنوان لگایا جاتا ہے شاید ہی کسی کی نظر پڑتی ہو! جب یہ معلوم نہ ہو کہ سند کا آخری راوی صحابی ہے یا تابعی تو حدیث کا متصل اور مرسل ہونا کیسے معلوم ہوگا؟ سند تو ایک بنیاد ہے، متنِ حدیث کیلئے معیار وکسوٹی ہے، اس تک پہنچنے کا راستہ ہے، چھت پر سیڑھی کے بغیر نہیں چڑھا جاسکتا، راستہ معلوم کیے بغیر کوئی راہی رختِ سفر باندھ کر منزل کی طرف روانہ نہیں ہوا کرتا! جب رجال کے احوال سے بے خبر رہیں تو حدیث کا مرتبہ کیسے پہچانیں گے؟ لہٰذا اسماءِ سند اور احوالِ رجال کی تصحیح وتحقیق کے لیے علومِ حدیث واصول حدیث کی طرف رجوع کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، (۲۳) دنیا میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس سے سند ورجال کا تعلق نہ ہو۔

امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں رقمطراز ہیں:

> ''محدثین کا یہ قول ... ''الاسناد من الدین'' اس سے ان کی مراد صرف سلسلہ سند (یعنی حدثنی فلاں عن فلاں) نہیں، بلکہ مقصود ان رواۃ کی معرفت ہے جن سے حدیث شریف نقل کی جارہی ہے تاکہ وہ محدِّث، جو حدیث بیان کرتے وقت سند ذکر کررہا ہے کسی مجہول، ضعیف اور متہم بالکذب راوی سے روایت کرنے کے بجائے ایسے شخص سے روایت کرے جو ثقہ ہو، کیونکہ سند سے مقصود ہی یہی ہے کہ تمام شکوک وشبہات مٹا کر غالب گمان یہ رہے کہ یہ حدیث آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، تاکہ ہم اس پر اعتماد کر کے شریعت کے احکام کو اس کی طرف منسوب کرسکیں۔'' (۲۴)
>
> (گویا کہ یہ حدیث متعلقہ احکام کیلئے بنیاد ہے)۔

تیسری چیز تھی الفاظ متن کی تصحیح، یہاں فقط صرف ونحو سے کام نہیں بنے گا، اسکی معرفت فن تصحیف وتحریف، فن غریب الحدیث اور فن الحدیث فیما بعد عصر الروایۃ پر موقوف ہے، ان میں سے ہر ایک علومِ حدیث کا مستقل ایک فن اور نوع

ہے۔ یہ علوم وفنون کتب ستہ پڑھنے سے نہیں آیا کرتے ! ہم سمجھتے ہیں کہ دورہ حدیث شریف کر کے کامیاب ومکمل ہو گئے، ہر گز نہیں!!

ان علوم کو سمجھنے کے لئے اپنے آخذ ومراجع ہیں۔ جو شخص نہ اصولِ حدیث پڑھے، نہ رجال پڑھے اور حدیث میں مہارت کا دعویٰ کرے تو وہ غلط فہمی کا شکار ہے۔

چوتھی چیز! جس کی پہچان حدیث پڑھتے وقت ضروری ہے، وہ ہے صحت وضعف کے اعتبار سے حدیث کا حکم پہچاننا۔ اس کے لئے بھی اصولِ حدیث کے در پر دستک دینا ہوگی۔

پانچویں اور آخری چیز! حدیث سے مستنبط شدہ مسائل واحکام فوائد وآداب کی معرفت ہے۔ یہی غرضِ اوّل اور ثمرہ حدیث ہے، اس کی معرفت اگر چہ اصولِ حدیث پر موقوف نہیں لیکن ثمرہ تب آتا ہے جب درخت میں صلاحیت ہو اور شجرۂ حدیث امورِ اربعہ کی تحقیق اور اصولِ حدیث کے پانی سے سیراب کیے بغیر پھل دار نہیں بنتا۔ (۲۵)

یاد رہے! اسماءِ سند اور متن حدیث کی درستگی شرعاً بھی مطلوب ہے اور عقلاً بھی اور کیوں نہ ہو؟ جبکہ حدیث نبوی میں لحن وتصحیف کرنے والوں کا فرمان نبوی "من كذب عليّ ...." (۲۶) کے تحت داخل ہونے کا خطرہ ہے، اور حدیث کا رتبہ معلوم کیے بغیر روایت کرنے والا نبی کریم ﷺ کے فرمان "كفى بالمرء كذباً أن يحدث بكل ما سمع" (۲۷) اور "من حدث عني بحديث يُرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين"۔ (۲۸) کے تحت داخل ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ موضوع حدیث بیان کر رہا ہو۔ لہٰذا علومِ حدیث سیکھنے سے جی چرانا دانشمندی نہیں، علم میں رسوخ کے طالب اس سے فرار نہیں اختیار کر سکتے۔

منفی سرگرمیوں کا سدّ باب کیسے ہو؟

مستشرقین ومنکرین حدیث احادیث نبویہ کے مضبوط قلعہ کی بنیادیں کھوکھلا کرنے کیلئے برسرِ پیکار ہیں، امریکن اور یورپین یونورسٹیوں کے تعلیم یافتہ اور یہود ونصاریٰ کے تربیت دادہ شاطر وطرار لوگ اپنے مفروضات کی بنیاد پر "مجموعۂ حدیث" کو مسخ کرنے اور "زمانہ بعد" کی پیداوار ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ان کے دجل وفریب کا منہ توڑ جواب دینا، اور انکی افتراء پردازیوں اور دسیسہ کاریوں کے تیروں کو ان کے غلاظت بھرے سینوں سے پار کر دینا "علومِ حدیث" پر عبور حاصل کیے بغیر ممکن نہیں۔

ہمارے کتنے مسلمان بھائی اس "کاروانِ گمراہی" کے ہم سفر ہو گئے! بلکہ ملک کے قدیم، مشہور ومعروف مدارس سے فارغ شدہ فضلاء بھی اس الحاد وزندقہ کے سیلِ رواں میں بہہ پڑے اور ضلالت وگمراہی کے سنسنی خیز وبھیانک بھنوروں میں پھنس گئے، أعاذنا الله من شر هذه الفتن ماظهر منها و ما بطن. ساتھ ہی دورِ حاضر کا گمراہ کن فرقہ جو "غیر مقلدین" کے نام سے مشہور ہے (جس نے مسلمانوں کی صفوں کو منتشر کرنے اور ان کی وحدت وجمعیت کو ٹکرے ٹکرے کرنے میں کوئی لحظہ فروگذاشت نہیں کیا!) اس کے منہ پر طمانچہ مار کر، اس کے تابڑ توڑ حملوں کو روکنے اور اسکی عیاری ومکاری کو بے نقاب کرنے کیلئے بھی علوم حدیث پر دسترس ضروری ہے۔

حوالہ جات

١ـ سورة عنكبوت / ٤٨ـ

٢ـ سورة آلِ عمران / ٨٥ـ

٣ـ سورة الحِجْر / ٩ـ

٤ـ سورة الأعراف / ١٥٧ـ

٥ـ سورة الجمعة / ٢ـ

٦ـ سورة البقره / ١٣٧ـ

٧ـ مشكاة المصابيح ، كتاب الفِتَن، باب : ٢٩، مناقب الصحابة، صفحه ٥٥٤، ناشر ایچ ایم سعید کراچی۔

٨ـ حياة الصحابة ، للعلامة الداعية الكبير محمد يوسف الكاندهلوي متوفیٰ ، (١٣٨٤هـ) الترغيب في العلم . (٣٥١/٣) كتب خانه فيضى لاهور ـ

٩ـ سنن ابن ماجه ، للإمام الحافظ محمد بن يزيد القزوينى ، (٢٧٣هـ) باب ذكر وفاته ، و دفنه ﷺ ، صفحه ١١٧ ، قديمى كتب خانه ـ

١٠ـ حياة الصحابة ، الترغيب في العلم ٢٨٧/٣ـ

١١ـ الجامع الصحيح ، للإمام البخاري. (٢٥٦هـ) ٤٥٣/١ ، قديمى كتب خانه ـ

١٢ـ الجامع الصحيح ، للإمام البخارى، ١٩/١ـ

١٣ـ الأعلام، خير الدين الزِرِكلي، ٢٧١/٢، مكتبه دارالعلم بيرت۔

١٤ـ حجّيت حديث ، تصنيف ، شيخ الاسلام علامه محمد تقى عثمانى، ص ١٠٩، ادارهٔ اسلامیات۔

١٥ـ مسند الإمام أحمد بن حنبلؒ (٢٤١هـ) رقم الحديث ٣٨١٤. جلدِ ثانى ص ٧١، علم الكتب۔

١٦ـ الجامع لِأخلاق الراوي و آداب السامع ، الخطيب البغداديؒ (٤٦٣هـ)صفحه ٤٠٥ تحقيق صلاح عويضه ، دارالكتب العلمية بيروت.

١٧ـ لمحات من تاريخ السنة و علوم الحديث ، بقلم عبدالفتاح أبو غُدةؒ (١٤١٧هـ) صفحه ١٣٦، ناشر مكتب المطبوعات الاسلامية، حَلَب ، چوتھا ایڈیشن۔

١٨ـ معرفة أنواع علم الحديث . للإمام الحافظ ابن الصلاحؒ ، (٦٤٣ هـ) صفحه ٧٥ دارالكتب العلمية بيروت ـ

١٩ـ لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث ، صفحه ١٦١ـ

٢٠ـ لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث ، صفحه ١٦١ـ

٢١ـ مسدّسِ حالى ، صفحه ٣٤، مکتبہ خلیل اردو بازار لاہور۔

٢٢ـ المدخل إلىٰ علوم الحديث الشريف ، بقلم محمد عبدالمالك . أطال الله عمره .صفحه ١٥، مرکز الدعوة الاسلامیة ڈھاکہ بنگلہ دیش۔

٢٣ـ المدخل إلىٰ علوم الحديث الشريف ، بقلم محمد عبدالمالك. أطال الله عمره .صفحه ١٦، مرکز الدعوة الاسلامیة ڈھاکہ بنگلہ دیش۔

٢٤ـ بحوالہ لمحات من تاريخ السنة و علوم الحديث ، صفحه ١٤٠ـ

٢٥ـ المدخل إلى علوم الحديث الشريف ، بقلم محمد عبدالمالك . أطال الله عمره .صفحه ١٥، مرکز الدعوة الاسلامیة ڈھاکہ بنگلہ دیش۔

٢٦ـ مسند الامام أحمد بن حنبلؒ ، رقم الحديث ، ٣٨١٤، (٧١/٢)ـ

٢٧ـ مقدمة صحيح مسلم، ٨/١، قديمى كتب خانه ـ

٢٨ـ مقدمة صحيح مسلم، ٨/١، قديمى كتب خانه ـ

☆☆☆